ایک عالی دماغ تھا نہ رہا

محمد عبداللطیف الفت

رات کے گیارہ بجے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی اس لیے کہ میرے اعزہ و احباب جانتے ہیں کہ میں دل کا مریض ہوں اور جلد سو جاتا ہوں اِس لیے اِس وقت مجھے کوئی فون نہیں کرتا۔ فون کی آواز سن کر جاگا تو دوسرے سِرے پر سید محمد کفیل بخاری کی آواز سنائی دی۔ سید کفیل بالخصوص اِس ناوقت فون نہیں کرتے۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ خیریت نہیں ہے۔ میرے استفسار پر پورے سکون اور باوقار طریقہ سے اُنھوں نے وہ خبر سنائی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اُنھوں نے میری بات اپنے والدِ محترم حافظ سید وکیل شاہ سے بھی کرائی۔ اُن کے لہجے میں بھی کوئی اضطراری کیفیت محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ دونوں حضرات صبر و استقامت کی چٹان نظر آئے۔ اپنے جوان بیٹے اور بھائی کی حادثاتی اور ناگہانی موت پر اُن کا صبر و سکون مثالی تھا۔ انیس کا مصرع زبان پر آ گیا:

دل صاحبِ اولاد سے انصاف طلب ہے

سید محمد ذوالکفل بخاری، حضرت امیر شریعت کا نواسہ، بنتِ امیر شریعت کا نورِ نظر اور میرے عزیز و محترم بھائی حافظ سید محمد وکیل شاہ کا لختِ جگر ہی نہ تھا، علم و ادب کے افق پر ایک روشن ستارہ، صاحب قلم، دردِ دل رکھنے والا نوجوان، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت سے سرشار دانشور، غرضیکہ ایک ہمہ صفت موصوف انسان تھا۔

مجھ سے آدھی عمر کا تھا لیکن اپنی ان گنت خوبیوں کی بنا پر اُس نے میرے دل میں اپنا ایک خاص مقام بنالیا تھا۔ اُس کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے میرے دل میں اُس کے لیے غیر معمولی قدر و منزلت تھی۔ ذہانت اور فطانت کا پیکر ہونے کے باوجود اُس میں ایک انکساری اور تعلقات کے ضمن میں وضعداری تھی۔ وہ جب بھی اسلام آباد آتا تو ایک دن مجھ ایسے گوشہ نشین اور علمی بے بضاعتی کے مظہر کے ساتھ ضرور گزارتا۔ دنیا کے ہر موضوع پر بات ہوتی۔ میں اس کی معلومات کی وسعت، شعر و ادب کے جدید رجحانات پر اس کی دسترس، پاکستان کے سیاسی، علمی اور ادبی حلقوں کی سرگرمیوں سے مکمل واقفیت پر حیران رہ جاتا۔ وہ چند لمحے جو اس کی معیت میں بسر ہوتے ایک عرصے تک مجھے سرشار رکھتے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ اسلام آباد آیا اور مجھ سے رابطہ نہ کرسکا۔ ملتان پہنچ کر اس نے معذرت کا فون کیا اور ایسے پرخلوص لہجے میں معافی مانگی کہ میں شرمندہ ہوگیا۔

وہ جس حلقہ سے تعلق رکھتا تھا اس کے نفوس شعلہ بجاں اور شعلہ بیان ہوتے ہیں لیکن ذوالکفل ایک شبنمی طبیعت اور دھیمے مزاج کا نوجوان تھا۔ متعدد معاملات پر اُس کی رائے مجھ سے مختلف ہوتی، لیکن اُس کا حفظِ مراتب کا احساس اتنا قوی تھا کہ

اُس نے کبھی سر اُٹھا کر یا بلند لہجے میں اختلاف کا اظہار نہیں کیا بلکہ بہت آہستگی سے نرم سے نرم الفاظ میں اپنا نقطۂ نظر بیان کر دیتا تھا۔

اس کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اس کے اندر کسی بڑی سے بڑی ہستی یا کسی سکۂ رائج الوقت نظریے کے بارے میں کسی قسم کی مرعوبیت یا احساسِ کمتری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اپنے مسلک کی پختگی اور صلابت پر چٹان کی طرح مستحکم لیکن دوسروں کے معتقدات اور نظریات کے بارے میں وسیع القلبی اُس کا خاصا تھا، یعنی نرم دمِ گفتگو اور گرم دمِ جستجو۔

زبان و بیان پر اس کی دسترس اور اپنے خیالات کو مستحکم استدلال کے ساتھ پیش کرنے کی بے پناہ صلاحیت کا مظاہرہ جو پہلے میرے علم میں آیا، اُس کا وہ کالم تھا جو اُس نے نوائے وقت میں الطاف گوہر مرحوم کے ایک کالم کے جواب میں لکھا۔ کئی برسوں پہلے کی بات ہے الطاف گوہر نے اپنے ممدوح نواب کالا باغ کے بارے توصیفی کلمات لکھتے ہوئے حضرت امیر شریعتؒ کے بارے میں کچھ متنازع باتیں لکھ دیں۔ ذوالکفل مرحوم نے جو اس وقت اور بھی کم عمر تھا اُس کے جواب میں دندان شکن مضمون لکھا۔ اُس کا یہ مضمون اپنی معنویت، قطعیت اور بھرپور استدلال کے لحاظ سے اُس پختہ کار، مسلّم دانشور اور اپنے وقت کے بلند پایہ ادیب سے کہیں آگے نکل گیا۔ میں نے اُس کی نقول گوہر صاحب کے کالم سمیت متعدد ادبی اور سیاسی ذوق رکھنے والے احباب میں تقسیم کیں۔ سبھی نے میرے جائزہ کی تائید کی۔ افسوس اُس کی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار نہ ہو سکا اور موت نے ایک نابغہ کو چھین لیا۔ خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود۔

مولانا محمد علی جوہر مرحوم جیل میں تھے جب اُنھیں اپنی چہیتی بیٹی کی شدید علالت کی خبر ملی۔ اِس پیکرِ صبر و رضا نے ایک نظم کہی جس میں اُس کی صحت کی دعا تھی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا:

تیری صحت ہمیں منظور ہے لیکن واللہ
اُس کو منظور نہیں تو ہم کو بھی منظور نہیں

لیکن اللہ کی رضا پر راضی ہونے والے اس کوہِ استقامت کو جب اپنے نائب اور کامریڈ کے ایڈیٹر، انگریزی کے بلند پایہ انشا پرداز راجہ غلام حسین کی جوانا مرگی کی خبر ملی تو صبر کے بند ٹوٹ گئے۔ نظم اُس کی موت پر بھی کہی لیکن یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

ابھی مرتا نہ تھا غلام حسین
اور کچھ دن ابھی جیے ہوتے

یہ گنہ گار بھی خانوادۂ بخاری کی طرح اللہ کی رضا پر راضی ہے لیکن یہ کہنے پر مجبور ہے:

ذوالکفل! تمھیں ابھی مرنا نہ چاہیے تھا